دھبہ لگ جائے گا، ہر طرف فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔ نسب پامال ہوگا اور صلاح وتقویٰ اور عفت وعصمت میں کمی آجائے گی۔

اس حدیث کا خطاب بہ ظاہر لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہے، لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کے سرپرست ہیں۔ نہ لڑکی کا سرپرست اس وجہ سے اس کے رشتے میں تاخیر کرے کہ جب صاحبِ حیثیت، مال دار اور برسرِ روزگار لڑکا ملے گا تبھی رشتہ کریں گے، چاہے کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہوجائے، اور نہ لڑکے کا سرپرست اس وقت تک اس کا نکاح ٹالتا رہے جب تک اسے کوئی اچھی اور اونچی ملازمت نہ مل جائے۔

تاہم، اس معاملے میں دوسرا پہلو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ بیوی کے نان نفقہ کی ذمے داری اصلاً شوہر پر ہے۔ مروّج مشترکہ خاندانی نظام شرعی طور پر پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لیے لڑکے کی شادی سے قبل بہتر ہے کہ وہ اتنا کچھ کمانے لگے کہ اپنی بیوی کے ضروری مصارف برداشت کرسکے۔ عموماً والدین جذبات سے مغلوب ہوکر اپنے لڑکوں کی جلد از جلد شادی کردینا چاہتے ہیں، لیکن اس پہلو کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعد میں وہ مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملے میں دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کیا جائے۔ (ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)

تحدیدِ نسل کی حرمت پر بعض اشکالات

س : قرآن میں اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد سے منع فرمایا ہے (انعام ۶:۱۵۱)۔ اس آیت سے یہ بات تو واضح ہے کہ زندہ اولاد کا قتل حرام ہے، جیسے عرب عہد جاہلیّت میں لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ آج اسقاطِ حمل کے طریقے کو بھی اس آیت کے زمرے میں لایا جاسکتا ہے۔ تاہم، جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک عورت کا آپریشن کراکے توالد وتناسل بند کردینا بھی حرام ہے تو یہ بات سمجھ سے بالاتر ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں اس فعل کے حرام ہونے کی گنجایش کہاں سے نکلتی ہے؟

عزل کی متبادل صورتیں، جو آج کل رائج ہیں اور جن سے دو بچوں کے درمیان وقفہ رکھا

جاتا ہے، اہلِ علم ان میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور اسے مطلقاً جائز مانتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص ان صورتوں کو اختیار کر کے اس وقفے کو کتنی مدت تک دراز کرسکتا ہے، حتیٰ کہ اپنی بیوی کی موت تک، تو پھر اس کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپریشن کروا کے عورت کو ماں بننے کے قابل ہی نہ رہنے دیا جائے۔ قتل اولاد کی ممانعت کا اطلاق حاملہ عورت کے جنین پر تو ہوسکتا ہے، لیکن اس نطفے پر کیسے ہوسکتا ہے جس سے ابھی حمل کا استقرار ہی نہیں ہوا ہے۔ وجود کے بغیر قتل اولاد کا اطلاق کیسے ممکن ہے؟

دوسری دلیل اس سلسلے میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی ساخت میں تبدیلی کرنے کے فعل کو شیطان کا فعل قرار دیا ہے (النساء ۴:۱۱۹)۔ مولانا مودودی نے اس آیت کی تشریح میں اس فعل کو حرام قرار دیا ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد اول، سورہ نساء، حاشیہ: ۱۴۸)۔ اس سے اگر انسان کے کسی عضو کی تبدیلی یا معطلی کو مراد لیا جائے تو پھر اس زمرے میں تو بہت سے کام آجائیں گے، مثلاً مصنوعی آنکھ لگوانا، ایک شخص کا گردہ یا آنکھ کا عطیہ کرنا، ہاتھ یا پیر کاٹنا وغیرہ، لیکن ان کی حرمت کا کوئی بھی قابلِ ذکر فقیہ قائل نہیں ہے۔ جب انھیں گوارا کرلیا گیا (بہ ضرورت ہی سہی) تو پیدایشِ اولاد کو مستقل روکنے کو کیوں نہیں گوارا کیا جاسکتا؟

میں کثرتِ اولاد کا مخالف نہیں ہوں، لیکن مسلم معاشرے میں کثرتِ اولاد سے بہت زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جس کا اثر نہ صرف خواتین کی صحت پر، بلکہ بچوں کی صحت پر بھی پڑتا ہے، معاشی مسائل جو پیدا ہوتے ہیں، وہ الگ ہیں۔ اس مسئلے کو صرف یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ اللہ رازق ہے۔ توکل علی اللہ کی یہ عجیب وغریب مثال دیکھنے میں آتی ہے کہ آمدنی کو بڑھانے کے لیے تو کوئی جدوجہد نہیں کی جاتی، بس اتنا کہہ کر خود کو متوکل باور کرلیا جاتا ہے۔ اولاد کی تعلیم وتربیت سے مجرمانہ غفلت اس پر مستزاد ہے۔ پھر جیسے ہی ان کی عمر ۱۰، ۱۲ برس کی ہوجاتی ہے انھیں محنت مزدوری کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ہوسکتا ہے، بڑے شہروں میں نہ ہو، لیکن دیہات اور چھوٹے شہروں کی پس ماندہ بستیوں میں عام ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ یا تو مانع حمل

ذرائع استعمال کر کے توازن قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے، یا پھر حرمت سے واقفیت کے علی الرغم عورتوں کا آپریشن کروا کے اولاد کا سلسلہ بند کر دیتا ہے۔

موجودہ دور کا یہ ایک اہم معاشرتی مسئلہ ہے۔ آں جناب سے امید ہے کہ جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔

ج: عہدِ جاہلیّت میں لوگ فقر و فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ خاص طور سے وہ لڑکیوں کو بوجھ سمجھتے تھے۔ اس لیے بعض قبائل میں یہ رسم جاری تھی کہ ان کی پیدایش کے بعد وہ انھیں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قرآن نے اس مذموم فعل کی شناعت بیان کی اور اس سے سختی سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۱) اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تخلیق کا ایک نظام جاری و ساری کیا ہے۔ اسی طرح انسان ہو یا کائنات کی دیگر مخلوقات میں سے کوئی مخلوق، دنیا میں زندہ رہنے کے لیے اسے جس رزق کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود ۱۱:۶) زمین میں چلنے والا کوئی جان دار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔

کوئی شخص تخلیق اور رزق کے معاملات کو اپنے قبضے میں کرنا چاہے، چنانچہ کسی بچے کے پیدا ہونے کے بعد اسے زندہ رہنے کا حق نہ دے اور اسے قتل کر دے، یا رحمِ مادر میں کسی جنین کو پرورش پاتا ہوا جان کر اس کا اسقاط کروا دے، یا ایسی کوئی تدبیر اختیار کرے جس سے توالد و تناسل کا سلسلہ ہی یک لخت موقوف ہو جائے، تینوں صورتوں میں حقیقت اور انجام کار کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی شریعت میں جہاں قتلِ اولاد اور اسقاطِ جنین حرام ہیں، وہیں دائمی طور پر توالد و تناسل کو موقوف کرنے کی تدابیر اختیار کرنے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ مانع حمل تدابیر اختیار کرنے پر قتل اولاد کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ کسی کو اس کے

وجود کے بغیر کیسے قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن اسے اس عمل کی عدم حرمت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

عہدِ نبویؐ میں بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی دو صورتیں رائج تھیں: ایک خصی کروالینا، دوسرے عزل کرنا۔ اول الذکر کے نتیجے میں قوتِ مردمی ختم ہوجاتی تھی اور آیندہ استقرارِ حمل کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہؓ پر راہبانہ تصور کا غلبہ ہوا اور انھوں نے اللہ کے رسولؐ سے خصی کروا لینے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے سختی سے ایسا کرنے سے منع کیا اور ان کے سامنے اپنا اسوہ پیش کیا (بخاری: ۲۲۲۹، مسلم: ۱۴۳۸)۔ عزل کا مقصود بھی یہی تھا کہ استقرارِ حمل نہ ہوسکے۔ اس کے بارے میں اللہ کے رسولؐ کے مختلف ارشادات ملتے ہیں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اسے ناپسند کیا ہے اور اسے الوأد الخفی (زندہ درگور کرنے جیسی، لیکن اس کے مقابلے میں ہلکی صورت) قرار دیا ہے (مسلم: ۱۴۴۲)۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ جس بچے کی پیدایش اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھی ہو، اس تدبیر کے ذریعے اسے روکا نہیں جاسکتا (بخاری: ۲۲۲۹، مسلم: ۱۴۳۸)۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ناپسند کرنے کے باوجود آپؐ نے اس کی اجازت دی ہے (بخاری: ۲۵۴۲، مسلم: ۱۴۳۸)۔ اس تفصیل سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مرد یا عورت کا آپریشن کروا کے توالد کا سلسلہ بالکلیہ موقوف کردینا جائز نہیں، البتہ عارضی اور وقتی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے سورۂ نساء کی آیت فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ (یعنی شیطان کے بہکاوے میں آکر وہ خدائی ساخت میں ردوبدل کریں گے) کی تشریح میں ضبطِ ولادت کو بھی شامل کیا ہے۔ سوال میں مولانا کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن ان کی پوری بات نقل نہیں کی گئی ہے اور ان کی بحث کو صرف انسان کے کسی عضو کی تبدیلی یا معطّلی تک محدود کردیا گیا ہے۔ مولانا کی پوری عبارت سامنے ہو تو غلط فہمی نہیں ہوگی۔ انھوں نے لکھا ہے:

> دراصل اس جگہ جس ردّوبدل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز سے وہ کام لے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا نہیں کیا ہے اور کسی چیز سے وہ کام نہ لے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا کیا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر، وہ تمام افعال جو انسان اپنی اور اشیا کی فطرت کے خلاف کرتا ہے اور وہ تمام صورتیں جو وہ منشاے فطرت سے گریز

کے لیے اختیار کرتا ہے، اس آیت کی رو سے شیطان کی گم راہ کن تحریکات کا نتیجہ ہیں۔(تفہیم القرآن، اول، ص ۳۹۹)

اس ضمن میں مولانا مودودی نے بہ طور مثال عمل قوم لوط، ضبطِ ولادت، رہبانیت، برہم چرج، مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانا، مردوں کو خواجہ سرا بنانا وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔

سوال کے آخر میں مسلم معاشرے میں کثرتِ اولاد کے جو مسائل اور پیچیدگیاں بیان کی گئی ہیں، وہ حقیقت ہیں۔انھیں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔مسلمانوں کو تعلیم، صحت اور معاش کے میدان میں اوپر اٹھانے اور ترقی دینے کی ہر تدبیر اور کوشش قابل قدر اور لائق ستایش ہے، لیکن اس کا حل یہ ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کو کم سے کم بچے پیدا کرنے کا مشورہ دیا جائے۔کچھ عشروں قبل جن ملکوں میں خاندانی منصوبہ بندی کو ریاستی پالیسی بنایا گیا تھا اور اپنے شہریوں کو صرف ایک بچہ یا دو بچے پیدا کرنے کا پابند کیا گیا تھا، بالآخر ان کو معاشرتی مسائل کے پیش نظر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ قانون تبدیل کرکے شہریوں کو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب دینے پر مجبور ہوئے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ منع حمل کی تدابیر اختیار کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔کوئی عورت کسی مرض کی وجہ سے استقرارِ حمل کی متحمل نہیں ہے، یا اس کی صحت اس کی اجازت نہ دیتی ہو، یا اور کوئی معقول اور ناگزیر سبب ہو تو منع حمل کی تدابیر اختیار کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔تاہم، اس چیز کو عام حالات میں جائز قرار دیا جاسکتا ہے نہ اسے ریاستی پالیسی بنانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن کے پیغام کی اشاعت میں حصہ لیجیے

ایجنسی لیجیے اور اپنے اعزہ و احباب میں، اہل محلہ اور رفقاے دفاتر میں

بازار کے دکان داروں میں، کالجوں، اسکولوں اور مدارس میں فروخت کیجیے

5 سے زائد پرچوں پر 25 فی صد ◆ 25 سے زائد پرچوں پر 33 فی صد

مینیجر ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن منصورہ، لاہور-۵۴۷۹۰-فون: ۰۴۲-۳۵۴۲۷۹۱۶